پردہ کے متعلق چند سوالات

[''پردہ'' پر جو سلسلہ ابھی ''ترجمان القرآن'' میں شائع ہوا ہے اسے دیکھ کر مولانا امین احسن صاحب کے علاوہ چند اور اصحاب نے بھی اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے۔ یہاں انکو سلسلہ وار نقل کرکے مختصر جوابات درج کیے جاتے ہیں]

(۱)

آپ نے نماز باجماعت میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں جو روایات نقل کی ہیں انہیں دیکھ کر اندیشہ ہوتا ہے کہ آزادی نسواں کے حامی ایک نئی تحریک نہ شروع کر دیں کہ عورتوں کو شریعت نے تو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز باجماعت میں شریک ہونے کی اجازت دی ہے مگر پرانے خیال کے لوگوں نے انہیں روک رکھا ہے، لہذا اب عورتوں کو مسجد ہی میں نماز پڑھنی چاہیے۔ نیز آپ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کی خواتین کو ساتھ لے کر عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کیا اس کا نتیجہ نہ ہوگا کہ ایک اور تحریک عیدگاہوں میں خواتین کے اجتماع کی اٹھے گی، برائے نام پردہ دار اور کھلم کھلا بے پردہ عورتوں کے جمگھٹے عیدگاہوں میں لگینگے اور یاد خدا کے بجائے لوگ آنکھیں سینکنے اور نئے تعارف پیدا کرنے کے لیے وہاں جمع ہونگے؟ یہ محض خیالی اندیشہ نہیں ہے بلکہ اب سے دو سال قبل بمبئی میں انہی احادیث اور دلائل پر مولانا . . . . . صاحب نے نماز عید میں عورتوں کے اجتماع پر زور دیا، اور اس معاملہ میں حافظ . . . . . صاحب، جو ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر ہیں اور دس سال پہلے سے مسلمانان بمبئی میں بے پردگی کی بیماری پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کے ہمنوا ہوئے اور دونوں صاحبوں

کی کوشش سے ایک نئی عیدگاہ اہلحدیث قائم کی گئی جہاں خوب آراستہ و مزین ہو کر خواتین کرام نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئیں۔ اس حرکت کے جو کچھ اثرات ہوئے وہ ہماری یاد میں ابھی تازہ ہیں۔

آپ نے جنگ میں عورتوں کی شرکت اور نرسنگ کے متعلق جو روایات نقل کی ہیں وہ شائد احکام حجاب سے پہلے کی ہیں، یا اس وقت کی ہیں جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ آج ان روایات کو پیش کرنیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ ان سے اپنے خیالات کی تائید میں استدلال کرینگے جنکے نزدیک تیمارداری اور مرہم پٹی کے لیے جوان و خوبصورت نرسوں کی سب سے زیادہ ضرورت اسلیے ہے کہ ان سے جذبات قلبی کو تسکین ہوتی ہے اور شفا پانے میں مدد ملتی ہے۔

نیازمند

یوسف حاجی مکی - از بمبئی

جواب

جو سوالات آپ نے کیے ہیں ان کے متعلق پہلے یہ امر ذہن نشین کر لیجیے کہ دنیوی قوانین کے برعکس دینی قانون صرف ان لوگوں کے لیے بنایا جاتا ہے جو اہل ایمان ہوں اور جنکے اندر اس کے احکام کی اطاعت کا اندرونی جذبہ موجود ہو۔ ورنہ جو لوگ ضد اور عناد رکھتے ہوں اور جنہیں دینی قانون کے مقاصد ہی سے اتفاق نہ ہو، ان کو آخر کس نے مجبور کیا ہے کہ وہ خواہ مخواہ اس دین کے اندر ہی رہیں جسکے احکام کے مقصد و مدعا سے انہیں اتفاق نہیں ہے۔ قانون کے الفاظ سے فائدہ اٹھا کر مقصد قانون کے خلاف کام کرنے کی گنجائش نکالنے کی ضرورت تو صرف دنیوی قوانین کے معاملہ میں پیش آتی ہے کیونکہ وہ محض حکومت کے خارجی دباؤ سے انسانوں پر مسلط کیے جاتے ہیں۔ رہا دینی قانون تو اس کے معاملہ میں اسکی کیا حاجت ہے۔ جو اس کے احکام کی اسپرٹ کو قبول نہ کرنا چاہے اسکے لیے پورا موقع ہے کہ اس دین کو ماننے سے انکار کر دے۔

مسجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق جو احادیث میں نے نقل کی ہیں اور انکی جو تشریحات

کی ہیں انہیں آپ پھر پڑھیں - ان میں یہ بات صاف موجود ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا پسندیدہ نہیں ہے اور ناجائز بھی نہیں - اگر نہ جائیں تو بہتر ہے - اگر جانا چاہیں تو روکا نہ جائے - اور یہ منع نہ کرنیکا حکم بھی اس صورت میں ہے جبکہ عورتیں چند شرائط کی پابندی کریں، یعنی بن ٹھن کر اور خوشبو لگا کر نہ جائیں، ایسے زیورات نہ پہنیں جنکی آواز ہو، صرف صبح اور عشا کے وقت جائیں، مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑی ہوں اور امام کے سلام پھیرتے ہی اٹھ جائیں - ان باتوں کو ملحوظ رکھ کر غور کیجیے کہ آزادی نسواں کا وہ حامی کس قدر بے ایمان ہوگا جو "عورتوں کو مسجد ہی میں نماز پڑھنی چاہیے" کا دعویٰ لے کر اٹھے گا اور اس کے لیے جہاد کرے گا۔

عیدگاہ میں عورتوں کے جانے کے متعلق آپ نے جو سوال کیا ہے اسکی بھی وہی نوعیت ہے جو پہلے سوال کی ہے - سنت سے جو کچھ ثابت ہے وہ پردہ دار سادہ اور غیر مزین خواتین کا عیدگاہ میں جانا اور مردوں کے مجمع سے الگ جمع ہونا ہے - اور آپ سوال کر رہے ہیں "برائے نام پردہ دار اور کھلم کھلا بے پردہ عورتوں کے عیدگاہ میں جمع ہونے" کے متعلق - جو لوگ وانتم سکاریٰ کو چھوڑ کر صرف لاتقربوا الصلوٰۃ کے حکم کی اطاعت کرنا چاہتے ہوں ان سے تو یہی عرض کیا جائیگا کہ آپ کو آخر عمل بالقرآن کی حاجت ہی کیا پیش آئی ہے -

جنگ میں عورتوں کی شرکت صرف ابتدائے اسلام ہی میں نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد تک اور خلفائے راشدین کے دور میں بھی ثابت ہے لہذا جو استدلال آپ فرمارہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے - البتہ یہ بات صاف ہے کہ خدمات جنگ میں عورتوں کے حصہ لینے کی غرض اور کیفیت اسلامی نقطۂ نظر سے اُس نوعیت کی نہیں ہے جو مغربی نقطۂ نظر سے ہے - آپ میری عبارات کو پھر پڑھیں - میں نے صرف واقعات ہی نہیں بیان کیے ہیں بلکہ ان واقعات میں قانون کی جو اسپرٹ پائی جاتی ہے اسکی بھی تشریح کردی ہے -

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کردینا چاہتا ہوں۔ جب آدمی کو قانون کے اصول اور ضوابط بیان کرنے ہوں تو اس کا فرض ہے کہ جو کچھ اصل ماخذ سے ثابت ہو اُسے بے کم و کاست بیان کردے۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ افراط یا تفریط پسند کرنے والوں کی غلط تعبیرات کے خوف سے اصل قانون ہی میں کتر بیونت کرنے لگے۔ میں نے جو کچھ قرآن اور حدیث میں پایا ہے اور جو کچھ اس سے سمجھا ہے اسے جوں کا توں رکھ دیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس قانون کی اسپرٹ کیا ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں، اس کے حدود میں کمی اور بیشی کس اصول پر ہوتی ہے۔ ان باتوں کے بیان کرنے میں میں نے انتہا پسند مخالفین پردہ اور انتہا پسند حامیان پردہ، دونوں کو نظر انداز کر کے اصل قانون جیسا کچھ ہے اسی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کے بعض اجزاء کو چھوڑ کر بعض اجزاء الگ کر کے نکال لے اور حسب منشاء ان سے نتائج نکالنے لگے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

(۲)

آپ کے ان حالیہ جامع مضامین کے مطالعہ کا مجھ کو شرف حاصل رہا ہے جن میں جناب نے پردہ اور نکاح وسفاح پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ دوران مطالعہ میرے ذہن ناقص میں چند شبہات ناشی ہوئے ہیں جن کا میں بغرض استفادہ نہ کہ بطور اعتراض جناب کے سامنے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ امید کہ جناب کا جواب میرے طمانیت قلب کا باعث ہوگا۔

۱۔ جہاں کہیں احتمالِ فتنہ تھا عورتوں کو غض بصر، کتم ستر و زینت کے احکام دیے گئے ہیں۔ لیکن عورتوں کو ان کے غلاموں کے سامنے اظہار زینت کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ غلاموں کے سامنے اظہار زینت ایک عظیم فتنہ کا موجب ہو سکتا ہے۔ باپ، بھائی اور بیٹے کے برعکس عورتوں کو بعد عتاق اپنے غلاموں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے لہٰذا مذکور الصدر رشتہ داروں کے برعکس غلام بعد عتاق نامحرم ہو جاتے ہیں۔

۲- حُرّہ اور امۃ کے ستر میں فرق رکھا گیا ہے حالانکہ باعتبار ساخت جسمانی اور صنفی جذبات ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح ایک آزاد عورت کی عریانی باعث فتن ہو سکتی ہے اُسی طرح ایک لونڈی کی عریانی بھی فتنہ کا موجب بن سکتی ہے۔

۳- اگر لونڈیوں کا ستر کام کاج میں سہولت پیدا کرنے کے لیے آزاد عورتوں کے ستر سے مختلف رکھا گیا ہے تو کیا اس دَور میں جبکہ شرعی لونڈیوں کا وجود اس صفحہ ہستی پر معقود ہے ماماؤں کو باغراض سہولت لونڈیوں کا ستر اختیار کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

۴- اسلام میں مغنیات اور شریف عورتوں کے لباس میں فرق تبلایا گیا ہے کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ دورِ رسالتؐ اور عہدِ راشدہ میں مملکت اسلامی میں مغنیات جیسے رذیل طبقہ کا وجود روا رکھا گیا تھا۔

۵- ہر مرد کو بوقت واحد چار عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن لونڈیوں کی صورت میں تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ جہاں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دے کر ذہنی آوارگی کا انسداد کیا گیا ہے، لونڈیوں کی اَن گنت تعداد سے تمتع کی اجازت دیکر ذہنی آوارگی کا باب کیوں وا کیا گیا ہے؟ خصوصاً لونڈیوں کے قابل بیع و شریٰ ہونے سے شبہات تقویت پاتے ہیں۔

حبیب اللہ فاروقی - حیدر آباد - دکن

جواب

(۱) شریعت زندگی کے صرف ایک پہلو کو نہیں دیکھتی بلکہ تمام پہلوؤں پر یکساں نگاہ رکھتی ہے۔ اخلاق کی حفاظت اور فتنوں کا استیصال ہی اسکے پیش نظر نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر ہے کہ معاشرت کا دائرہ انسان کے لیے تنگ نہ ہو جائے۔ غلام اور خادم معاشرت کے جزء ہوتے ہیں

ان سے خانگی کام کاج میں رات دن سابقہ پیش آتا ہے - اخفائے زینت کا اتنا اہتمام عورتوں کے لیے غیر ممکن ہے کہ جن لوگوں سے ہر وقت کا سابقہ ہو ان سے بھی اخفار کر سکیں - پھر یہ لوگ طبعاً اپنے آقاؤں سے اس قدر دبے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان سے فتنہ کا احتمال بہت ہی کم ہوتا ہے - اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گھر کے مردوں کے ساتھ ساتھ غلاموں اور تابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال کو بھی اخفائے زینت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے - یہ استثنار عام حالات کے لیے ہے - البتہ اگر کوئی صاحب خانہ کسی خاص غلام یا تابع مرد کے حالات کو مناسب نہ پائے تو یہ بات اسکے اختیار تمیزی پر ہے کہ اسکو استثنا سے خارج کر دے - مرد کو خانگی زندگی میں قوام کا منصب دیا ہی اسی لیے گیا ہے کہ وہ انفرادی حالات میں قانون کے منشا کو پورا کرنے کے لیے جو تدبیر مناسب سمجھے اختیار کرے -

(۲) آزاد عورت اور لونڈی کے ستر میں جو فرق رکھا گیا ہے وہ بھی انہی اسباب سے ہے جو اوپر بیان ہوئے - ستر کے حدود کو کم کرنے کے معنی عریانی کے نہیں ہیں - صرف اتنا حصۂ جسم کھولنے کی اجازت لونڈی کو دی گئی ہے جتنا خانگی فرائض انجام دینے کے لیے ضروری ہے - مثلاً آٹا گوندھنے کے لیے اسکو ایک حد تک اپنی باہیں کھولنی ہی پڑینگی - یا گھر کا فرش دھونے کے لیے اپنے پائنچے کسی حد تک ٹخنوں سے اٹھانے ہی پڑینگے - مگر اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ ضرورۃً جن حصوں کو کھولنے کی اجازت دی گئی ہے انہیں عادۃً کھلا ہی رکھا جائے، یا قصداً حد ضرورت سے زیادہ کھولا جائے -

(۳) جو ضرورتیں لونڈیوں سے تعلق رکھتی ہیں وہی خدمت پیشہ عورتوں سے بھی متعلق ہیں اسلیے میں سمجھتا ہوں کہ ان کے لیے بھی شریعت میں وہی سہولت ہے جو لونڈیوں کے لیے ہے - لیکن ان کو بھی یہی ہدایت کرنی چاہیے کہ بے حیا عورتوں کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کریں - یہ سہولت ان کو ضروریات پوری کرنے کے لیے دی گئی ہے نہ اس لیے کہ وہ شرم و غیرت کے لباس سے عاری ہو کر گھروں میں فتنے برپا کریں - ان باتوں کی نگرانی گھر کے مالک اور اسکی ملکہ کے فرائض میں سے ہے -

(۴) قاضی بیضاوی کے جس فقرے سے آپکو یہ شبہ ہوا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مغنیات کا طبقہ اسلامی معاشرت کا جزء ہے اور اسلام نے اس طبقہ کو بحیثیت ایک جزو معاشرت کے تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت میں مغنیات جس قسم کے لباس پہنتی تھیں یا غیر مسلم معاشرت میں اس طبقہ کی عورتیں جو لباس پہنتی ہیں، اسلام اپنی پیرو خواتین کو اُس سے روکنا چاہتا ہے۔ اسلام اسکو گوارا نہیں کرتا کہ مسلمان عورت اُس ہیئت میں منظر عام پر پیش ہو جس میں بیسوا عورتیں اور ایکٹریسیں نمودار ہوا کرتی ہیں۔

(۵) آپ کا یہ سوال تفصیل طلب ہے۔ جمادی الاولیٰ ۵۴ھ کے "ترجمان القرآن" میں اس پر ایک مستقل مضمون لکھ چکا ہوں۔ یہ مضمون انشاء اللہ عنقریب "تفہیمات" حصہ دوم میں آپ کو مل جائیگا۔ یہاں مختصراً صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ لونڈیوں سے تمتع کی اجازت جن تمدنی مصالح کی بنا پر دی گئی ہے وہ تعداد کے تعین سے فوت ہو جاتے ہیں۔ اس امر کا تعین نہیں کیا جا سکتا کہ کس زمانہ اور کس لڑائی میں کتنی عورتیں سبایا کی حیثیت سے دار الاسلام میں آئینگی اور ایک خاص وقت میں مسلمان آبادی کے اندر سبایا کا تناسب کس قدر ہوگا۔ اب جب تمتع کی اجازت دینے کا مقصد ہی عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کے تمدنی خطرات کا استدباب ہے، تو آپ خود غور کیجیے کہ اضافہ کی مقدار کے معین نہ ہونے کی صورت میں تمتع کی حد کا تعین کس طرح کیا جا سکتا تھا۔ جس حکیم نے یہ قانون بنایا ہے وہ یک چشم نہیں ہے کہ ایک وقت میں معاملہ کے ایک ہی رخ کو دیکھ سکتا ہو۔ اسکی حادی نگاہ بیک وقت تمام پہلوؤں پر پڑتی ہے، اسی لیے اس سے وضع قانون میں وہ بے اعتدالی صادر نہیں ہوتی جسکے صادر نہ ہونے کی شکایت انسان نے اکثر اس سے کی ہے۔

رہا آپ کا یہ شبہ کہ لونڈیوں کی ان گنت تعداد سے تمتع کرنے کی اجازت ذہنی آوارگی کا دروازہ کھولتی ہے، اور یہ کہ لونڈیوں کے قابل بیع و شریٰ ہونے کی وجہ سے اس کا امکان ہے کہ مالدار لوگ لونڈیاں

خرید خرید کر عورتوں کا ایک پورا بیڑہ فراہم کریں اور اپنے گھروں کو عیاشی کا اڈا بنا کر رکھ دیں، تو یہ اور اس نوعیت کے اکثر شبہات عموماً اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ معاملہ کا ایک ہی پہلو نگاہ کے سامنے ہوتا ہے اور دوسرے پہلو چھپے رہتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ شارع نے اپنا قانون انسان کی بھلائی کے لیے بنایا ہے اور اس قانون میں جو سہولتیں اور گنجائشیں رکھی ہیں وہ اُن حقیقی ضرورتوں کے لیے رکھی ہیں جو عموماً انسان کو پیش آتی ہیں یا پیش آسکتی ہیں۔ اگر بعض لوگ ان گنجائشوں سے وہ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے لیے دراصل شارع نے یہ گنجائشیں نہیں رکھی تھیں، تو یہ ان کی اپنی نافہمی ہے یا شرارت نفس۔ لیکن اس قسم کی انفرادی غلطیوں کے امکان یا وقوع سے ڈر کر قانون میں ایسی تنگی پیدا کرنا جس سے عام لوگوں کی حقیقی ضرورتیں پوری ہونے میں مشکلات واقع ہوں، کسی حکیم کا کام نہیں ہو سکتا۔ شارع نے لونڈیوں کی غیر محدود تعداد سے تمتع کی اجازت اس لیے نہیں دی ہے کہ ایک ایک مسلمان اپنے گھر میں راجہ اندر بن جائے اور بے شمار عورتوں کے جھرمٹ میں بس رات دن داد عیش ہی دیتا رہے، بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اگر غیر معمولی حالات پیش آجانے کی وجہ سے سوسائٹی میں عورتوں کی تعداد یکایک بہت بڑھ جائے تو اسکو آسانی کے ساتھ ٹھکانے لگایا جا سکے۔ اس غرض کے لیے کئی صورتیں رکھی گئی ہیں، مثلاً لونڈیوں کے نکاح غلاموں سے کر دیے جائیں، لونڈیوں کے نکاح غریب طبقہ کے آزاد مردوں سے کر دیے جائیں، لونڈیوں کو آزاد کر کے خود مالک ان سے نکاح کر لیں، اور انہیں صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ مالک آزاد کیے بغیر ہی ان سے تمتع کریں۔ اسی طرح لونڈیوں کی بیع و شریٰ کو جائز کرنے کا مقصد بھی یہ نہیں ہے کہ آوارہ مزاج لوگ محض عیاشی کی خاطر بہت سی لونڈیاں خرید خرید کر جمع کر لیا کریں، اور جب دل بھر جائے تو انہیں بیچ کر دوسرا بیڑہ بھرتی کر لیں۔ بلکہ دراصل یہ سہولت ان ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر دی گئی ہے جو عموماً انسان کو پیش آتی ہیں، مثلاً ایک شخص مفلس ہو گیا ہے اور لونڈی غلام رکھنے کی استطاعت اس میں نہیں رہی ہے، یا اسکے پاس ضرورت سے زیادہ لونڈی غلام جمع ہو گئے ہیں، یا ان

میں سے کسی کو وہ پسند نہیں کرتا - کیا ان حقیقی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے محض اس خوف سے قانون کا دائرہ تنگ کرنا درست ہو سکتا تھا کہ بعض لوگ ان سہولتوں سے ناجائز فائدہ اٹھائینگے؟ ایسی خباثتوں کے امکانات تو خود نکاح و طلاق کے قانون میں بھی ہیں - اگر کوئی شریر آدمی "جائز زناکاری" پر اتر آئے تو وہ روز ایک نئی عورت سے چند روپوں پر نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے دن اسے طلاق دے کر کسی دوسری عورت کو تلاش کر سکتا ہے - پھر کیا ایسی انفرادی شرارتوں کے خوف سے یہ صحیح ہوگا کہ طلاق اور نکاح کے قانون میں ایسی بندشیں بڑھا دی جائیں جن سے عام لوگوں کی زندگی تنگ ہو جائے؟